علم النفسیات کا ایک افادی پہلو

(ذکر کی فضیلت اور ماہیت)

سلسلہ کے لئے دیکھئے برہان مئی (۱۹۴۷ء)

(از لیفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید، کراچی)

آجکل مغرب میں علم النفسیات کا رجحان بہت کچھ علم تصوّف اور روحانیت کی طرف ہوتا چلا جارہا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے مغرب ہمارے ہی علم تصوّف سے بہت کچھ اخذ کرکے مستعار لیتے چلے جارہے ہیں اور اپنے رنگ میں اُسے پیش کررہے ہیں۔ اگرچہ اُن کا طریقۂ کار وہ نہیں ہے جو ہمارا ہے یعنی ذکر و اذکار اُن کے ہاں ناپید ہیں، لیکن ذکر و اذکار کے جو فوائد ہیں، مثلاً تصفیۂ قلب یا حصولِ شعورِ کائنات، اُن کے ہاں قبول کرلئے گئے ہیں۔ اور ان کو ذریعہ بنایا گیا ہے اُن تخلیقات کا جن سے وجودِ انسانی، روحانی ارتقائی منازل طے کرتا ہوا بلندی اختیار کرتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی ذکر کا مقصد تصفیۂ قلب ہی ہے اور یہی ایک ابتدائی منزل ہے جس کے حصول کے بغیر انسان اپنے منفی[1] جذبات پر قابو نہیں پاسکتا اور چونکہ جذبات کا مرکز قلب ہی ہے اس لئے ضروری قرار پاتا ہے کہ ہماری تمام تر توجہ اسی ایک عضو کی طرف مرکوز ہوجائے کیونکہ منفی جذبات پر قابو پائے بغیر تصفیۂ قلب ممکن نہیں۔ قلب ہی کے توسط سے انسان بالائی[2] مراکز سے رابطہ قائم کرتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ بالائی مراکز مختلف عوالم

---

[1] منفی جذبات (NEGATIVE EMOTIONS) ایسے افعال ہیں جو خواہشاتِ نفسانی کے تحت انسان سے سرزد ہوتے رہتے ہیں اس میں غصہ، حسد، رشک، دروغ گوئی وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے برعکس کچھ اور جذبات بھی ہیں جن کو اثباتی جذبات یا (POSITIVE EMOTIONS) کہا جاتا ہے۔ ان[2] کا تعلق بالائی مراکز (HIGHER CENTRES) کے ساتھ ہے اور یہ اللہ میاں کی طرف سے انسان پر بطور احسن رحمت نازل ہوتے ہیں

سے تشبیہہ دیئے جاتے ہیں مثلاً ملائے اعلیٰ اور حظیرۃ القدس وغیرہ۔ انہی مراکز سے قلبِ انسانی پر تجلیات کا ظہور ہوتا ہے اور واردات و مکاشفات القا کرتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کو دلی صفائی حاصل ہو جائے اُسے تجلّی کی سعادت بھی ضرور نصیب ہو جاتی ہے۔ ہر ذاکر پر انوار کا ظہور نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کو ان باتوں کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیئے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ جو دل صاف ہوگا وہ اس سعادت کے قابل بھی ضرور ہو جائیگا۔ تجلّی حق[1] یا کائناتی شعور اچانک آتی ہے لیکن واقف دل پر آتی ہے جو ذاکر ہوتا ہے، غافل اور ناواقف دل پر ہرگز نہیں آتی۔

اس مقالے کا مقصد ذکر کے جلی اور خفی طریقوں کا بیان نہیں ہے۔ یہ کام مشائخِ طریقت کا ہے۔ ہم یہاں صرف ذکر کے فوائد اور اس کا طریقہ کار جدید علم النفسیات کی روشنی میں پیش کرینگے۔

لا الٰہ گوئی بگو از روئے جان تا ز اندامِ تو آید بوئے جان (اقبال)

قارئین برہان کو یاد ہوگا کہ آج سے تیرہ برس پہلے ہم نے ایک سلسلۂ مضامین بعنوان "علم النفسیات کا ایک افادی پہلو" جو چار پانچ مضامین پر مشتمل تھا، لکھا تھا۔ ان مقالات میں چند در چند اشکال ہمارے لئے سدِ راہ بنے رہے۔ تیرہ برس کے متواتر غور و فکر کے بعد اب ان مشکلات کا کچھ حل ملا ہے جو پیش کیا جاتا ہے۔ اب بھی مضمون تشنہ ہے اور کسی طور پر اُسے حرفِ آخر نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم جو کچھ بھی یہاں لکھا جائیگا ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا اور قارئین سے گذارش ہے کہ اس ناچیز کو کوتاہیوں سے آگاہ کیا جائے تاکہ اس اہم موضوع کو مکمل کیا جا سکے۔

تصفیۂ قلب | جب تصفیۂ قلب حاصل ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ کی صفات اس پر تجلّی کرتی ہیں یہ صفاتِ الٰہیہ انسان کے وجود کے اندر ودیعت کر جاتی ہیں اور جو صفت اس قلب مصفّٰی پر ظاہر ہوتی ہے وہ صاحبِ تجلّی کے تصرف سے ہوتی ہے جو کیفیتِ قلب کی صفائی کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ تجلّی، مشاہدہ اور مکاشفہ کی

---

[1] تجلّی مغربی فلسفہ کے مفہوم کے مطابق (COSMIC CONSCIOUSNESS) کو کہتے ہیں، جسے ہم کائناتی شعور کی اصطلاح سے جابجا اس مقالہ میں لکھیں گے اور اس کی تشریح بھی مفصل کرینگے۔ کائناتی شعور کے ترجمہ سے اصل انگریزی اصطلاح کا مفہوم بخوبی واضح نہیں ہوتا۔

نوعیتوں میں بہت کم فرق ہے۔ چنانچہ مشاہدہ معہ تجلی بھی ہو سکتا ہے اور بغیر تجلی بھی۔ اور تجلی بغیر مشاہدہ بھی ہوتی ہے اور مشاہدہ کے ساتھ بھی۔ ذکر اللہ تعالےٰ کے اسم ذات کی تکرار سے پیدا ہوتا ہے جس کے مختلف طریقے صوفیائے کرام کے ہاں رائج ہیں۔ اور یہ اسم ذات کلام اللہ سے لئے جاتے ہیں۔ ذکر کے وقت درحقیقت ہماری روح اپنے خالق سے ہم کلام ہوتی ہے اور یہ جو روحانی کلام دماغ اور زبان کے واسطوں سے گذرتا ہے تو یہ ہَوا اور جسم میں تموّج پیدا کرتا ہے۔ اگر جسم سے یہاں مراد قلب لیں اور ہَوا سے ملائے اعلیٰ تو اِن تموّجات کے ذریعہ دونوں میں ایک رابطہ قائم ہو جاتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے جس طرح یہ جسم یا قلب سُر ہو گیا ہے اور ایک ساز کی طرح بجنے لگتا ہے۔ ہم اس کیفیت کی نوعیت کی طرف آئندہ صفحات میں اشارہ کریں گے۔

انسان کی شخصیت کا تمام تر دارومدار روح پر ہے (روح کو ہم یہاں ایک لطیف عنصر کے معنی میں استعمال کر رہے ہیں یعنی (ESSENCE)۔ جوں جوں روح کے اوپر سے پردے اُٹھتے چلے جاتے ہیں انسان کی شخصیت[1] (PERSONALITY) بیدار ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور اُس کے قلب کے اندر صفائی آجاتی ہے۔ انسان کی شخصیت ایک پیاز کی مانند ہے جس پر بے شمار چھلکے پردوں کی مانند چڑھے ہوئے ہیں۔ اصل شخصیت (REAL PERSONALITY) ان پردوں کے اندر مخفی ہے جس کے پیچھے انسان کی اَنا یا خودی ("I") اس انتظار میں پوشیدہ بیٹھی ہے کہ اُسے بے نقاب کر دیا جائے۔ ذکر ان پردوں کے ہٹانے کا ایک واحد ذریعہ ہے جس کے بغیر انسان کی حقیقی شخصیت نمودار نہیں ہوتی اور نقلی شخصیت ہی جلوہ گر رہتی ہے۔

سکونِ قلب ایک ایسی کیفیت ہے جو اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے پیدا ہوتی ہے، اُس

---

[1] شخصیت (PERSONALITY) دو قسم کی ہوتی ہے۔ ۱۔ حقیقی یا اصلی شخصیت (REAL PERSONALITY) اور۔ ۲۔ نقلی شخصیت جو انسان کے ماحول اور اس کی تربیت کا نتیجہ ہوتی ہے (FALSE PERSONALITY) جب تک انسان کی خودی بیدار نہیں ہوتی شخصیت نقلی ہی رہتی ہے۔

خالق ارض وسمانے انسان کی تخلیق کے وقت ہی اس کی فطرت میں یہ خاصیت ودیعت کردی تھی کہ انسان کی رُوح کو اپنے خالق کے ساتھ ایک مناسبت ہو جائے اور جب وہ اُس کی طرف متوجّہ ہو تو راحت وسکون پائے اور اگر وہ اُس کی طرف سے ہٹ کر دنیاوی کاروبار میں منہمک ہو تو اس کا سکون اور راحت چھن جائے، یعنی اگر انسان اپنے خالق کو کلیتہً بھلا دے اور تمامتر واسطہ انسان کے ساتھ ہی بنالے تو پھر اُس کی یہ کیفیت ہو جائے کہ وہ بے چین رہے اور مطمئن نہ ہو۔ سکون واطمینانِ قلب تصفیۂ قلب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور یہ کیفیتِ صفائی قلب بغیر ذکر کے حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اللہ تعالےٰ ذکر کی فضیلت کئی ایک مقام پر اپنے کلامِ عزیز میں بیان کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ہاں صوفیائے کرام نے اس کو بہت اہمیّت دی ہے۔ مگر آجکل مسلمان اس کی اہمیت کو بھلا چکے ہیں۔ ذکر ایک نسخہ ہے سعادتِ ابدی حاصل کرنے کا اور یہ ایک مجرب نسخہ ہے نجات کا۔

ذکر | من قال لا الٰہ الا اللہ والی حدیث پر لوگ خواہ مخواہ معترض ہوتے ہیں۔ کبھی اس حدیث کا تواتر پر کھتے ہیں اور کبھی اعمال وافعال کی نگاہ سے اس کو دیکھتے ہیں حالانکہ جو اہمیّت اس حدیث کی ہے وہ ایک نسخہ سے بڑھکر کچھ نہیں اور جب تک ایک نسخہ کو آزمایا نہ جائے اس پر نکتہ چینی کیا معنی؟ اعتراض تو عمل کے بعد واجب آتا ہے یعنی نسخہ استعمال کیا جائے اگر فائدہ مند ثابت نہ ہو تو رد کر دیا جائے۔ مگر ہمارے ہاں کچھ عجیب رویہ لوگوں نے اختیار کر لیا ہے کہ نسخہ تو استعمال نہ کرنا۔ اور اُس کی افادیت پر معترض ہو جانا! یا للعجب!!! ذکر کیا ہے؟ فقط کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تکرار ہے ایک عامی جو سلوک کی راہوں سے نابلد ہے اُس کے لئے بس یہی تکرار کافی ہے۔ جو نتیجہ اس سے برآمد ہوگا وہ خود بخود بتا دیگا کہ نسخہ مجرّب ہے یا نہیں۔ اس نسخہ کا کمال ہی یہی ہے کہ انسان کو خود بخود راہِ راست پر لے آتا ہے اور اس کو فرائض ونوافل کا پابند کر دیتا ہے۔ تو کیا پھر یہ کم کمال ہوا؟ ذکر کے مختلف طریقے جو صوفیاء کے ہاں رائج ہیں اُن سے ہمیں یہاں مطلقاً غرض نہیں۔ عامی کو ان راستوں سے آگاہی ضروری نہیں۔ کیونکہ جب یہ نسخہ تجویز ہوا تھا اس وقت ذکر کے جلی وخفی طریقوں کا وجود بھی کسی کے ذہن میں موجود نہ تھا۔ یہ تو بہت بعد کی ایجاد ہیں۔ اصل چیز محض ان الفاظ کی تکرار ہے۔ تھوڑی سی ہمّت کرنے سے

یہ خود بخود جاری ہو جاتا ہے۔ جاری ہونے سے مراد یہاں از خود جاری رہنے کے نہیں بلکہ انسان ان الفاظ کو دہرانے کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو جاتا ہے اور پھر یہ کلمہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انسان کو مذہبی فرائض کی طرف اس کی توجہ مبذول کروا دیتا ہے اور آہستہ آہستہ عامل بن جاتا ہے! یہی اس کلمہ طیبہ کی خصوصیت ہے اور اسی واسطے اس کو افضل الذکر کہا گیا ہے۔

اس مجرب نسخہ کو استعمال میں لانے کی ضرورت جس قدر آجکل ہے مسلمانوں کو کبھی نہ ہوئی تھی۔ مسلمانوں کے اخلاق کو سدھارنے کا یہی ایک واحد حل ہے۔ مسلمانوں کے اسباب تنزل پر بہت بحث ہو چکی ہے مگر آجتک کسی نے یہ طریقہ نہیں بتایا کہ اس ذلیل حالت سے اٹھا کر مسلمان کو کس طرح اخلاقی طور پر کھڑا کیا جائے۔ ہماری نگاہ میں صرف یہی ایک واحد طریقہ ہے کہ جسے مسلمانوں کو اختیار کرنا چاہیئے۔ جب کبھی بھی کوئی طریقہ تجویز کیا جاتا ہے تو بس یہی کہ یہ حکومتوں کا کام ہے کہ لوگوں کا اخلاق درست کرے۔ یہ کسی حد تک ٹھیک ہے، مگر حقیقت یہی ہے کہ احکام قرآن نافذ کرنے سے لوگوں کا دنیاوی نظام درست ہو سکتا ہے۔ مگر اُن کی توجہ اپنے خالق و معبود کی طرف منتقل نہیں کروائی جا سکتی۔ یہ تو ایک قلبی رجحان ہے جو ہاتھ کاٹنے سے پیدا نہیں ہو سکتا اسی لئے اور ایسے ہی موقعوں کے لئے اللہ تعالےٰ نے ہمیں یہ اتنا سستا اور ارزاں نسخہ بتا دیا ہے کہ اس کو استعمال کرو تو تمہاری سب بلائیں دور ہو جائیں گی۔ کاش مسلمان من حیث القوم کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیں تو دیکھیں گے کہ اُن میں کس قدر نمایاں اور کس قدر جلدی خوشگوار تبدیلیاں آنی شروع ہو جاتی ہیں۔ کلمہ طیبہ اس کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیگا۔

آیئے اب ذرا دیکھیں کہ اس شغل و ذکر کو مغرب نے کس طرح اپنایا ہے، اس سے کیا نتائج برآمد کئے ہیں۔ جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ ذکر سے مطلوب تصفیۂ قلب اور اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ رابطہ قائم کرنا ہے۔ تو تصفیۂ قلب ان کے ہاں منفی جذبات پر قابو پانے سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ہم ابتدائے مضمون میں اشارۃً لکھ آئے ہیں! یہی خودی کو اُن کے ہاں بلند کرنے کا طریقہ ہے (یہاں لفظ خودی بمعنی وجود یعنی (BEING) کے استعمال کیا گیا ہے) کیونکہ انسان کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے جب تک اس کا وجود ایک بلند مقام حاصل نہیں کرتا وہ آدمی چھوٹا ہی رہتا ہے۔ بزرگ و بلند ہستی وہی

ہے جس کی خودی بلند ہوا اور اس میں وہ تمام خصائل آجائیں جو منفی جذبات پر قابو پا جانے کے بعد آتے ہیں اور جو حقیقی شخصیت کے مقتضی ہوتے ہیں ۔ کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچکر انسان اپنا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم کرتا ہے ع

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے (اقبال)

مغربی فلسفیوں کا منتہائے نظریہ تو نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنا رابطہ کرنا چاہتے ہیں ۔ البتہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے بالائی مراکز (HIGHER CENTRES) کا ذکر کرتے ہیں یعنی یہ کہ منفی جذبات پر قابو پا کر جذبات کے مرکز (EMOTIONAL CENTRE) کا تعلق براہ راست بالائی مرکز سے ہو جاتا ہے یعنی جب تصفیۂ قلب ممکن ہوا تو اوپر کا راستہ کھل گیا ۔ بات ہوئی تو وہی مگر طریقہ کار مختلف ہو گیا ۔ یہاں یہ بات خوب دلنشین کر لینی چاہیئے کہ منفی جذبات نفسانی خواہشات کے مترادف ہوتے ہیں اور اُن کی کچھ تفصیل ہم گذشتہ صفحات پر لکھ آئے ہیں ۔ اس حصول کے لئے بڑی تگ و دو کرنا پڑتی ہے ۔ آپ محسوس کریں گے کہ اپنا شعور آپ خود یکایک بیدار نہیں کر سکتے اور نہ ہی باشعور ہو جانے کے بعد کائناتی شعور آپ کو حاصل ہو جاتا ہے ۔ اس کے لئے بڑی جدّ و جہد لازمی ہے اور اس میں چند ایک بڑے مشکل مقامات آتے ہیں ۔ لیکن یہ تمام ارتقائی خواص اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر ودیعت کر دئے ہوئے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان خواص کو اجاگر کیا جائے اور اگر ہم اپنے وجود کو بلند کرنے کی کوشش نہ کرینگے تو پھر ہمیں اللہ میاں سے کیا گلہ ہو سکتا ہے ۔

شعور | ہمارے اندر شعور کے چار درجے ہیں ۔

۱ ۔ خواب آور نیند
۲ ۔ حالت بیداری
۳ ۔ درجۂ خود آگاہی
۴ ۔ شعورِ کائنات

منفی جذبات پر قابو پا کر ہم تیسرے اور چوتھے درجہ تک پہنچتے ہیں اور اس کے بعد ہمارا تعلق ملائے اعلیٰ یا عالمِ بالا یا بالائی مراکز سے قائم ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مدارج ہیں جن کو طے کر کے خودی بلند ہوتی ہے۔ اب آیئے ذرا ٹھہر کر اس بات پر بھی غور کریں کہ خودی کو بلند کرنے سے کیا مراد ہے؟ مختصراً خودی کو بلند کرنے سے یہ مراد ہے کہ اپنے وجود کو پہچان کر اپنے شعور کو بیدار کیا جائے۔ یعنی اپنے آپ کو سمجھا جائے۔ اس کے ساتھ بہت سی کیفیات پیدا ہوتی ہیں جو وجود کو اُٹھا کر روحانی طور پر بلند کر دیتی ہیں۔ اصل مشکل مقام یہی ہے کہ اپنے کو سمجھنے اور پہچاننے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ سب سے بڑا پردہ دروغ گوئی کا درمیان میں حائل ہے۔ اپنے آپ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کے ساتھ سچ بولا جائے ہم اگرچہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہم سچ بولتے ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ ہم نہ صرف دوسروں کے ساتھ بلکہ خود اپنے آپ سے بھی جھوٹ بولتے رہتے ہیں۔ اور یہی عادت ایک ایسی خوئے بد ہے جو ہمیں اپنے آپکو اور دوسروں کے سمجھنے میں مانع ہے۔ اگر آپ کبھی بنظرِ تعمق دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ انسان ہر لحظہ بدلتا رہتا ہے۔ اس میں یکسانیت قطعاً نہیں۔ اللہ میاں نے اس کی تخلیق کچھ اس انداز سے کر دی ہے، لاتبدیل کا اصول صرف اس کی اپنی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ مگر انسان اپنی یکسانیت کو آدھ گھنٹہ کے لئے بھی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ ذرا اپنے تخیل ہی پر غور فرمایئے گا۔ کبھی تو آپ بادشاہ بن بیٹھے اور کبھی جلاّد کبھی اس کو قتل کر کے بدلہ لیا اور کبھی اس شخص پر سخاوت دکھائی۔ کبھی پارسا ہیں اور کبھی حسین ترین فرد بنے بیٹھے ہیں۔ غرضیکہ ہر لحظہ آپ کچھ سے کچھ بنتے چلے جا رہے ہیں یہ اگر دروغ گوئی نہیں تو اور کیا ہے؟ گویا جبلات حقیقت نہیں آپ اُسے اپنے تخیل میں سچ سمجھ رہے ہیں۔ اور جھوٹ بولتے چلے جاتے ہیں۔ اور اگر یہ تخیل تقویت[1] پکڑ جائے تو نہ صرف دوسروں کو اس سے نقصان پہنچتا ہے بلکہ خود آپ کے اپنے وجود کو بھی اس

---

[1] جدید مغربی فلسفہ کی اصطلاح میں اس چیز کو IDENTIFICATION کہا جاتا ہے یعنی اپنے منفی جذبات میں سے کسی ایک کے ساتھ وابستگی اختیار کر لینا۔ خیالات تو انسان کو بے انتہا آتے رہتے ہیں اور وہ کسی حد تک ان وسوسوں کا ذمہ دار بھی نہیں لیکن اس میں نقص یہ ہے کہ ان منفی خیالات سے وہ کسی ایک کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے اور بار بار ایک ہی قسم کا جذبہ اس کے اندر ابھرتا رہتا ہے مثلاً کسی خاص خیال کے ساتھ اگر وہ گھبرا اٹھتا ہے یا غصہ میں آجاتا ہے تو ہر بار جب اُس کو ایسا خیال آئے گا اُس کے جذبات برانگیخت ہوتے رہیں گے۔ اس کا نقصان یہ ہے کہ بہت سی قوت اُس کے اندر ضائع ہوتی رہے گی۔ اس عمل کو آئی ڈنٹی فیکشن کہا جاتا ہے اور یہ وجود کی ترقی میں ایک کٹھن مرحلہ ہے۔

سے نقصان پہونچتا ہے۔

انسان کے اندر مختلف اور متعدد انائیں جو متضاد ہیں موجود ہیں۔ یہ انائیں ایک دوسرے کو دھوکہ دیتی رہتی ہیں اور خود انسان بحیثیت مجموعی ان کے نرغے میں آتا رہتا ہے۔ انسان کی شخصیت ان کا مجموعہ ہے جو اپنے آپ کو "میں" کہہ کر پکارتا ہے۔ یہ تمام انائیں منفی جذبات ہیں جن پر جب تک انسان قابو نہیں پاتا اس کا "میں" نقلی شخصیت کے مترادف ہی رہتا ہے۔ جو احول انسان پر اثر انداز ہوتا ہے اس سے اس کی انائیں بدلتی نہیں ہیں بلکہ مستحکم تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ البتہ وہ ان منفی جذبات پر قابو پاکر اپنے آپ کو بدل سکتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی ایک منفی جذبہ کے ساتھ منسلک یا وابستہ نہ ہوجائے کیونکہ اس سے اس کی شخصیت میں تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی۔ وہ ہر لمحہ اپنے متعلق نیا سے نیا تصوّر قائم کرتا چلا جاتا ہے اور یہی نیا تصوّر اس کی نقلی شخصیت کو پختہ تر کرتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کے حجابات بدستور قائم رہتے ہیں اور اس کی خودی بیدار نہیں ہوتی۔ جونہی وہ اپنے منفی جذبات پر قابو پانا شروع کرتا ہے اس کے حجابات یا پردے پے در پے اٹھنا شروع ہوجاتے ہیں اور اصلی شخصیت کو بے نقاب کر دیتے ہیں۔ اس اصلی شخصیت کے پیچھے اس کی روح کارفرما ہے اور اس کے پیچھے اس کی حقیقی انا ہے اور اس کے اندر اللہ تعالےٰ کی ہستی کارفرما ہے۔ نقشہ نیچے ملاحظہ فرمایئے۔

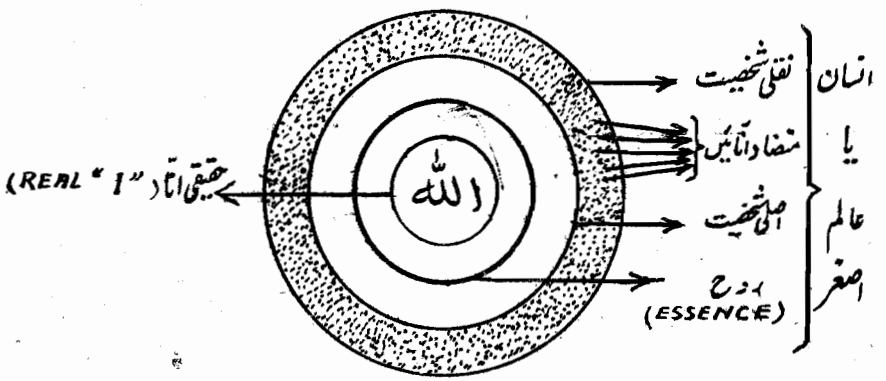

جب تک نقلی شخصیت کا نقاب اُتار کر پھینک نہ دیا جائے روح تقویت نہیں پکڑتی اور یہ بات یہاں یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر کوئی فعل اس نیت سے انسان سے سرزد ہوتا ہے جس میں وہ اجر کا طالب

ہوتا ہے تو پھر وہ انسان اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ وہ کیا فعل کر رہا ہے! سمجھ تو اس وقت آنا شروع ہوتی ہے جب اس کا ذہن اور اس کے جذبات آپس میں تعاون کرنا شروع کر دیتے ہیں[۵۶]۔ اور پھر یہ بھی نہیں سوچنا چاہئے کہ اور لوگ کیا کر رہے ہیں۔ جو بات سوچنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں! اور ایسا سوچنے کے لئے لازمی ہے کہ انسان کی نگاہ اپنے سے نیچے والوں پر نہ رہے، اپنے سے اوپر والوں پر رہے، یعنی اگر وہ ہر وقت دوسروں کی پستی کے دیکھنے کا عادی ہو گیا ہے تو اس کا خود اپنی ترقی کرنا ناممکن ہے۔ اسے دوسروں کو اپنے سے بلند دیکھنا چاہئے۔ جب تک یہ خو وہ اپنے اندر پیدا نہیں کر لیتا اس کی خودی بلند نہیں ہو سکتی۔

ہاں تو ہم ذکر کر رہے تھے کہ انسان اپنے ماحول کو بدل نہیں سکتا۔ البتہ اگر وہ کوشش کرے تو خود اپنے کو بدل سکتا ہے اور اس طرح اس کو تمام گرد و پیش بدلا ہوا نظر آئیگا۔ البتہ اپنے کو بدلنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے حال و مستقبل کو بدل دے۔ اور ان کو بدلنے سے پہلے ان کا جاننا ضروری ہے۔ ہم کو یہ بات خوب غور سے دلنشین کر لینی چاہیئے کہ ہمارا "آج" اگر ایسا ہے تو صرف اس لئے کہ "کل" بھی ویسا ہی تھا اور اگر "آج" بھی "کل" ہی جیسا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ "کل" جو آئیگا وہ بھی "آج" ہی کی طرح ہوگا! اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ "کل" جو آنے والا ہے "آج" سے مختلف ہو تو ضروری ہے کہ ہم کو اپنا "آج" ہی بدلنا ہوگا۔ اس کے بغیر مستقبل یا "کل" بدلا ہوا نہیں ہو سکتا۔ مگر یہاں ایک اور بات بھی گوش گذار کر دینی ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ آپ کس کا مستقبل (یعنی "کل" جو آنے والا ہے) بدلنا

---

[۵۶] شاید اس واقعہ سے مطلب ذرا صاف ہو جائے: ایک مرتبہ ایک بزرگ نماز پڑھ رہے تھے۔ سامنے سے ہیرا رانجے کی تلاش میں مگن چلی آ رہی تھی۔ جب وہ ان بزرگ کے سامنے سے گذری تو انھوں نے نماز توڑ دی اور ہیر کو برا بھلا کہا۔ ہیر بولی، بابا جی آپ نے کس کی نیت نماز پڑھنے سے پہلے کی تھی؟ وہ بولے۔ اللہ میاں کی! ہیر نے کہا، بابا جی میں تو اس خاکی پتلے رانجہ کی نیت کر کے گھر سے نکلی تھی اور میں جب یہاں سے گذری تو آپ کو مطلقاً نہیں دیکھا۔ آپ بھی عجیب آدمی ہیں کہ اللہ میاں کی نیت کر کے نماز پڑھتے ہیں اور نظر راہ جاتے پر پڑ جاتی ہے!!! ہماری نگاہ تو آپ پر نہیں پڑی ——— وہ دیکھو میرا رانجا جا رہا ہے ——— اور اس کے پیچھے بھاگ گئی۔

چاہتے ہیں ؟ کیونکہ اگر انسان خود اپنا ہی مستقبل بدلنے کے درپے ہے تو اس کے لئے لازمی ہے کہ پہلے وہ اپنے آپ کو پہچان لے ! یہ اس لئے ضروری ہے کہ تمام وہ نفسی انائیں جس سے انسان مخلوط ہے اس کو خود اپنے پہچاننے میں روکاوٹ پیش کر رہی ہیں اور اس کا صحیح شعور بیدار نہیں ہونے دیتیں۔ ان میں کی اگر ایک انا بھی مستقل طور پر تربیت پا جاتی ہے اور بے قابو ہو جاتی ہے تو وہ اندرونی ترتیب سے متاثر نہیں ہوگی بلکہ اور مستحکم ہو جائیگی اور بہت ممکن ہے کہ موت کے بعد بھی اس کا وجود قائم رہے اس لئے ان تمام حقائق پر عبور حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خود اپنا مطالعہ کرے اور اپنے منفی جذبات پر قابو پا جائے بعض حالات میں یہ مطالعہ خود کائنات کے مختلف پہلوؤں سے شروع ہو کر انسان پر آکر مرکوز ہو جاتا ہے اور بعض حالتوں میں خود انسان سے شروع ہو کر بیرونی دنیا کی طرف رجوع کرتا ہے مختصر یہ کہ مستقبل کو بدلنے سے پہلے ضروری ہے کہ پہلے اپنے کو سمجھا جائے اور پھر اپنے کو بدلا جائے۔

شعور کائنات | اللہ تعالےٰ ہی اس کائناتِ ارض و سما کا خالق ہے۔ اور انسان اس ساز ہستی کی سبتک کا پہلا سُر ہے ! اس سبتک کا ہر سُر خالق ارض و سما کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لیکن اصل دنیا انسان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے، تاوقتیکہ اس کے اندر شعور کائنات نہیں ابھرتا۔ ہمارے اور اس دنیا کے درمیان ایک تخیل کا پردہ حائل ہے۔ کچھ ایسا ہے جس طرح ہم سب سو رہے ہیں (ہم سب سو رہے ہیں جب مرینگے تو جاگیں گے۔ حدیث) لیکن یہ سونا بھی بڑا خطرناک ہے۔ ایسا نہیں ہے جس طرح انسان روزمرہ نیند میں سوتا ہے کہ جب سو کر اُٹھا تو محسوس کر لیا کہ سو کر اٹھا ہوں۔ اس نیند میں تو اس قسم کا شعور بھی اس کو نہیں ہوتا وہ مسلسل سوتا چلا جاتا ہے۔ ہمارے سب کام ایسے ہیں جیسے سوتے ہی میں ہو رہے ہوں کیونکہ یہ سوئے ہوؤں کے کام کی مانند ہیں ! اور انھیں دوسرے بھی دیکھکر سوتے ہی چلے جاتے ہیں۔ یہ سب مضمون اور کتابیں ہم نیند ہی میں لکھتے چلے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سوچ سمجھ کر لکھ رہے ہیں۔ درحقیقت یہ سب کچھ نیند کا ہی شاہکار ہیں۔ اور دیگر انسان جب ان کو پڑھتے ہیں تو اور بھی گہری نیند سو جاتے ہیں !!! ہمارے شعوری تخیلات مانند خواب ہیں۔ لیکن اُن میں حقائق کی آمیزش ہوتی ہے۔ اور جب انسان اپنے آپ کا جائزہ لیتا ہے تو پھر اس کے وجود میں ایک انقلاب آنا شروع ہوتا ہے جس سے اس کا شعور بیدار ہونا شروع ہو جاتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ جاگنا شروع کر دیتا ہے۔ پھر وہ سمجھتا ہے کہ اس میں

تبدیلی آنا شروع ہوگئی ہے۔ جوں جوں اس کی بیداری میں ترقی ہوتی ہے وہ کائناتی شعور سے دوچار ہوتا ہے۔ اس پر انوار تجلی کرتے ہیں اور وہ اندھیرے سے نکل کر روشنی کی طرف بڑھتا ہے اور اس کا وجود بھی ساتھ ساتھ ترقی کرتا ہے۔ اس کی خودی بلند ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کے جذبات کے مرکز (قلب) کا تعلق اب بالائی مرکزوں سے پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے اور اس پر پے در پے واردات ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ یہ تمام کچھ انسان عقلی اور عملی طور پر اپنے ساتھ کرسکتا ہے جس کے لئے اس کو بڑی ہی جد وجہد کرنی پڑتی ہے۔ مگر ذکر کی یہ خصوصیت ہے کہ ذاکر کے لئے یہ تمام مراحل ذکر ہی کی بدولت طے ہوتے چلے جاتے ہیں اور وہ تصفیۂ قلب حاصل کرلیتا ہے اور اپنا تعلق اللہ میاں کے ساتھ بحسن وخوبی قائم کرسکتا ہے اس کو کسی اور مشقت کی ضرورت نہیں رہتی۔ جذبات خود بخود قابو میں آتے چلے جاتے ہیں۔ نئی نئی راہیں اس کے سامنے کھلتی چلی جاتی ہیں اور وہ ذکر کی بدولت مکمل اطمینانِ قلب حاصل کرلیتا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہنگامی طور پر ہمارا تعلق بالائی مراکز سے پیدا ہوجاتا ہے ایسی حالت میں انسان پر حالتِ جذب طاری ہوجاتی ہے اور وہ بیہوش ہوجاتا ہے۔ اور بعض دفعہ اس سے کرامات بھی سرزد ہونے لگتی ہیں۔ یہ کرامات درحقیقت کسی کائناتی قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتیں۔ بلکہ یہ تو مختلف کائناتوں کے قوانین کا مظہر ہوتی ہیں ہماری اس دنیا پر! چونکہ یہ قوانین ہمارے علم میں نہیں ہوتے اس لئے ہم ایسے حوادث کو کرامات کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ کرامات اور کچھ شے نہیں۔

بالآخر جب انسان اپنے آپ کو پہچاننے کے قابل ہوجاتا ہے تو اس کو اپنے اندر بعض اس قسم کی چیزیں نظر آتی ہیں جن سے وہ ہیبت محسوس کرتا ہے۔ جوں جوں یہ لگن تیز تر ہوتا جاتا ہے انسان کی ہیبت بڑھتی جاتی ہے۔ اور جب انسان خود اس ہیبت سے متاثر ہوتا ہے تو دوسرے لوگ بھی خود اس کو دیکھ دیکھ کر ہیبت زدہ ہوتے ہیں۔ یہ ہیبت کا خاصہ اللہ تعالےٰ نے اپنی تخلیق کے ہر ذرہ کے اندر ودیعت کر دیا ہے۔ ہیبتِ نبوت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک فضیلت ہے اسی ہیبتِ خداوندی کا ایک کرشمہ ہے۔ جب تک ایک سالک کے اندر یہ ہیبت پیدا ہونا شروع نہیں ہوتی وہ اپنے آپ کو پہچاننا شروع نہیں کرتا من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ میں یہی سب سے زیادہ مشکل مقام ہے

بلکہ اگر ہم اُسے مشکل ترین مقام کہیں تو زیادہ صحیح ہوگا۔ انسان کے تمام حسین تخیل جو وہ اپنے ذہن میں اپنے متعلق قائم کرتا ہے اس کو بھیانک نظر آنے لگتے ہیں۔

دروغ گوئی | انسان کی روح کو تقویت دینے کے لئے ضروری ہے کہ اوّل جھوٹ (دروغ گوئی) پر قابو پایا جائے، جیسا کہ ہم عرض کر آئے ہیں جھوٹ پر قابو پانے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کی نقلی شخصیت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسی لئے ہمارے صوفیائے کرام نے صدقِ مقال پر اس قدر زور دیا ہے۔ جہاں جھوٹ اور بناوٹ ہے وہاں خودی پست ہوتی ہے۔ گذشتہ صفحہ پر جو نقشہ ترتیب دیا گیا ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان اگر اپنی حقیقی انا یا اصلی شخصیت سے باہر آکر اپنے آپکو دیکھے تو وہ اپنے آپ کو جلد پہچان سکتا ہے۔ اندر رہ کر دیکھنا تو نہ دیکھنے کے برابر ہے! اس لئے انسان کا خود اپنے آپ سے باہر آکر اپنے آپ کو دیکھنا ہی اصلی بیداری کا موجب ہے اگر وہ ایسا نہیں کرسکتا تو وہ سوتا ہی رہیگا اور اس میں کوئی نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی۔

صوفیائے کرام نے دروغ گوئی اور خود آگاہی کے لئے ایک بہترین نسخہ تجویز کیا ہے اور وہ خاموشی ہے۔ خاموشی کے فوائد پر تصوف کی کتابوں میں سیر حاصل بحث ملتی ہے۔ سب سے بڑی باتیں تین ہیں۔ ایک غیبت سے پرہیز، دوسرے عام جھوٹ کا ترک، اور تیسرے خود غور و تفکر کا موقعہ اور ذکر کی تکرار۔ گویا کائناتی شعور (COSMIC CONSCIOUSNESS) حاصل کرنے کا ایک واحد ذریعہ ہے۔ یعنی تصفیۂ قلب کے لئے ایک آسان راستہ ہے۔ انسان خاموش رہ کر خود اپنے وجود پر غور کرتا ہے اور اپنے آپ کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے عیوب کو دیکھتا ہے اور اپنے منفی جذبات کی تشخیص کرکے اُن پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس ذاتی شعور پا جانے کے بعد اب شعور کائنات تک اس کا راستہ آسان اور صاف ہو جاتا ہے۔

مخلوق کے حدود و قیود | اس کائنات کی وسعت کا دار و مدار ذاتی شعور پر منحصر ہے۔ جہاں تک نشو و ارتقا کا تعلق ہے انسان کا شعور سہ ابعادی ہے یعنی تین سمتی (THREE DIMENSIONAL) اور اس شعور کا ابھارنا بہت ضروری ہے اس کے بغیر وہ اشیاء محسوسہ کا ادراک نہیں کرسکتا۔ انسان کی طرح

اللہ تعالیٰ کی اور بھی لاتعداد مخلوق ہے جس کا زمان و مکان مختلف العباد ہے۔ کوئی یک سمتی ہے (ONE DIMENSIONAL) اور کوئی دو سمتی ہے! اور بہت ممکن ہے کہ وہ مخلوق جس کا احاطہ انسان کا ذہن کرنے سے قاصر ہے، پانچ، چھ یا سات سمتوں پر مشتمل ہو تو پھر اس خالق کائنات کی خود اپنی سمتوں کا کیا ذکر۔ وہ تو "لاسمتی" (INFINITE DIMENSIONAL) ہستی ہے، کوئی اس کی ہستی کا ادراک کیونکر کرے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو کہدیا گیا تھا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اگر انسان اللہ تعالےٰ کی ذات کو اپنے تصوّر میں لاسکے، تو پھر وہ اللہ تعالےٰ انہیں رہتے، کیونکہ پھر تو وہ زمان و مکان کی حدود میں مقید ہوگئے جو کہ ان کی ہستی سے بعید تر ہے۔ اس کا مکان تو لامکان ہے اور اس کا زمان لازمان !!! ع

تم اپنی لامکانی میں ہو بے گم مجھے اتنا بتا دو میں کہاں ہوں (اقبال)

"دابۃ" کے مفہوم کے اندر مختلف العبادی جاندار شامل ہیں۔ مثلاً کیچوا۔ یہ جاندار یک سمتی (ONE DIMENSIONAL) ہے بس ایک سیدھی لکیر پر چلا چلتا ہے۔ اسی طرح گائے بھینس دو سمتی مخلوق ہے۔ کہ یہ دائیں بائیں چلتی ہیں۔ انسان اس کائنات میں تین سمتی دابۃ ہے! اسی طرح اس کی ایسی بھی مخلوق ہے جو چار پانچ یا چھ سمتوں والی ہے۔ مثلاً شیاطین و ملائکہ۔ انسان کو ایسی مخلوق دیکھنے کے لئے اپنے شعور میں ترقی کرنا ہوگی اور خود اپنی سمتوں میں اضافہ کرنا ہوگا جو شعور کو تقویت دینے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور جب کائناتی شعور حاصل ہو جاتا ہے (اور یہ شعور کی بلند تر حقیقت ہے) تو پھر سب کچھ جو اس مادی آنکھ سے پوشیدہ ہے اظہر من الشمس کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔ جوں جوں حقیقتِ وجود میں شعور ترقی کرتا ہے زمان و مکان کی سمتیں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ مگر بالاتر مخلوق کا ادراک کرنے کے لئے خود انسان کو اپنا وجود اور اپنا شعور بلند تر کرنا پڑتا ہے۔ یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ زمان کی حقیقت مکان سے بہت مختلف ہے اور اوپر جو ہم نے سمتوں کا ذکر کیا ہے اس میں زمان شامل نہیں ہے۔ وقت یا زمان کی حقیقت سے ہم اکثر یہی سمجھتے ہیں کہ یہ لمحوں سے پیدا ہوتا ہے۔ گویا ماضی، حال اور مستقبل لمحات کا ایک مسلسل سلسلہ ہے جس کو ہم وقت کہتے ہیں۔ اگر اس حقیقت کو بنظرِ تعمّق دیکھا جائے تو ہم

محسوس کریں گے کہ ماضی کا کوئی بھی وجود نہیں، کیونکہ یہ تو گذر چکا ہے! ممکن ہے یہ کسی اور ہی حقیقت میں منتقل ہو چکا ہو۔ اسی طرح مستقبل کا ابھی کوئی وجود نہیں کیونکہ یہ تو ابھی وارد ہی نہیں ہوا۔ اور پھر یہ جو حال ہے اگرچہ بظاہر حاضر ہے مگر یہ مستقبل ہی تو ہے جو حال میں سے گذر کر فوراً ماضی بن جائیگا! یعنی غیر موجود سے موجود ہو کر پھر غیر موجود ہو جائیگا۔ چنانچہ یہ حقیقتِ زمان ایک افسانہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں جس چیز کا ہمیں تھوڑا بہت شعور ہوتا ہے وہ فقط ماضی ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ مستقبل، حال اور ماضی محض تخیل انسانی ہیں تو بہتر ہوگا ـــــ مگر اس تمام تخیل کے باوجود ہم موجود ہیں، بول رہے ہیں، دیکھ رہے ہیں اور سُن رہے ہیں!!! جس چیز کو ہم ابدیت (ETERNAL) کہتے ہیں وہ زمان کا کھچاؤ نہیں ہے۔ اگر اس کی کچھ حقیقت ہے تو یہ وقت کی سمت پر ایک عمود ہے۔ کیونکہ اگر ابدی کوئی شے ہے تو ہر لمحہ ابدیت کا ترجمان ہے اگر وقت کا کوئی کھچاؤ ہے تو یہ مکان ہی کے اندر ہے۔ اس لئے زمان، مکان کی چوتھی سمت قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس طرح زمان کا کچھ کھچاؤ نہیں اسی طرح مکان کا بھی کوئی کھچاؤ (EXTENSION) نہیں۔ جو چیز کھچی جا رہی ہے یا پھیلتی جا رہی ہے وہ خود ہمارا شعور ہے اور یہ پھیلتا ہوا اتنی ترقی کر جاتا ہے کہ شعورِ کائنات میں منتقل ہو جاتا ہے اور غیب کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔

یہ حقیقت سمجھ لینے کے بعد واضح ہو جائیگا کہ انسان کے اندر دو قسم کی قوتیں موجود ہیں۔ ایک طرف تو وہ مادی اشیاء کا ادراک کرتا ہے اور دوسری طرف وہ روحانی دنیا کو بھی بے نقاب کرتا چلا جاتا ہے۔ دراصل یہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ دو مختلف چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کی دو سمتیں ہیں اور جب ان سمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ حقائق کی نوعیت بھی بدلتی چلی جاتی ہے۔ ہم اپنے وجود کو بلند کر کے ہر طرف نظر دوڑا کر دیکھ سکتے ہیں۔ ہم ظاہری آنکھ سے اس مادی دنیا کے نظاروں کا لطف بھی اٹھا سکتے ہیں اور جب ہمارا وجود ترقی کرتا ہے تو ہم باطن کی آنکھ سے عالمِ بالا کا بھی نظارہ کر سکتے ہیں جس کے زمان و مکان لامحدود ہیں۔ مستقبل کا انسان ان ہی حقائق کو مدِ نظر رکھ کر ترقی کرے گا۔ اور بہت ممکن ہے مستقبل کا انسان ہم سے روحانی طور پر بہت مختلف ہو۔ اُسے اگر ہم انسانِ کامل کہیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ہماری دانست میں ایسے انسانوں کا وجود غیر ممکن نہیں ہے۔ آئندہ نسلِ انسانی ایسے ہی انسانِ کامل کا مجموعہ ہو گی۔

اور بہت ممکن ہے کہ انسانِ کامل پیدا ہونا شروع ہوگیا ہو۔ ذکر مسلمانوں کو اس کاملیت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ یہ اس کی فضیلت ہے۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں "شعور" کا لفظ جا بجا لکھا ہے۔ یہ انگریزی لفظ (CONSCIOUSNESS) کا مترادف ہے۔ مگر یہ ہے کیا چیز؟ شعور درحقیقت ایک شعاعِ نورانی ہے جس سے انسان کا باطن منور ہوتا ہے جوں جوں شعور ترقی کرتا ہے انسان کا باطن روشن تر ہوتا چلا جاتا ہے اور یہ ہے بموجب تصفیۂ قلب۔ ذکر انسانی شعور کو جلا دیتا ہے جس شخص کا شعور مقوی ہوگا وہ اپنے منفی جذبات پر قابو پالیگا اور اس کے لئے یہی دنیا بہشت بن جائے گی اور اگر وہ اپنے منفی جذبات پر قابو نہ پا سکے تو یہی اس کے لئے دوزخ ہوگا

انسان کی یہ عادت ہے کہ اپنے پر دوسروں کی نکتہ چینی برداشت نہیں کرسکتا لیکن اگر وہ خود اپنے عیوب سے آگاہ ہو تو پھر دوسروں کی نکتہ چینی اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتی چونکہ انسان ایک فرضی دنیا میں بسنے کا عادی ہے اور اپنے اردگرد اُس نے افسانے تراش رکھے ہیں اسی لئے وہ تنقید برداشت نہیں کرسکتا۔ اگر ایک شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اُسکی خودی کتنی بلند اور بیدار ہے تو اُسے اپنے آپ کو غصّے کی حالت میں دیکھنا چاہیئے غصّہ ایک منفی جذبہ ہے جتنی کسی میں اپنے غصّہ کو برداشت کرنے کی عادت ہوگی اتنی ہی اس شخص کی خودی بیدار ہوگی۔ ہاں بعض حالتوں میں ایسے بھی انسان ہیں جن کو غصّہ آتا ہی نہیں۔ ان لوگوں کے لئے یہ پیمانہ لاحاصل ہے! جس انسان کی خودی بلند نہیں ہے وہ اپنے آپ کو دیکھ ہی نہیں سکتا۔ وہ اپنی کمزوریوں سے غیر شعوری طور پر گھبراتا ہے اور ایک مسلسل خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ وہ دوسروں کو ناخوش دیکھ کر خود اپنے کو خوش رکھنے کا عادی ہے وہ دوسروں کو خوش نہیں دیکھ سکتا۔ ایسے لوگ بفرض محال کسی وقت اپنے آپ کو اگر دیکھ پائیں تو اپنا شعور کھو بیٹھیں۔

ذکر کی کیفیت | انسان چند ایک اہم مرکزوں کا مجموعہ ہے۔ اور اس طرف ہم نے گذشتہ صفحات میں اشارہ کیا ہے۔ یہ مرکز کچھ تو جذبات سے متعلق ہیں کچھ عقل و فہم سے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اس بات کی تلاش کرے کہ اُس کا کونسا مرکز کمزور ہے جب تک ان مراکز کے منفی پہلو قابو میں نہ آئیں گے انسان کا تعلق اللہ تعالےٰ سے پیدا نہیں ہوسکتا۔ ہم کہہ آئے ہیں کہ انسان اس سازِ ہستی کا بھلا سُر ہے۔ خود وجودِ انسانی ایک ساز کی مانند ہے۔ حظیرۃ القدس میں اس ساز کا مترادف موجود ہے جس کی بستک ہمارے ساز کی بستک سے منسلک ہے۔

اگر ہمارے وجود کا ساز اُس ساز کے سُروں سے سُر ہو جاتا ہے تو ایک عجیب پُر لطف نغمہ پیدا ہوتا ہے جس کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ اس ساز کو سُر کرنے کا طریقہ اور اس میں سے نغمہ پیدا کرنے کا طریقہ اللہ تعالےٰ نے ذکر کی افضلیت کے ضمن میں بیان کر دیا ہے۔ اور یہ چیز ذکر کو ترتیلاً ادا کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس قرأت کی کیفیت ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ اُسے ذرا یہاں کھول کر بیان کر دیا جائے۔ وھو ھذا۔

ذکر کا نفی و اثباتی پہلو نفسیاتی طور پر نفی و اثباتی جذبات سے متعلق ہے۔ نفی و اثبات کی تفصیل یہاں مقصود نہیں۔ البتہ نفی و اثباتی جذبات سے اس کا کیا تعلق ہے اس کے متعلق یہاں کچھ عرض کیا جائے گا کلمۂ طیبہ کا پہلا حصہ لَآ اِلٰہَ اللہ تعالےٰ کی ہستی کے سوا ہر چیز کی نفی کرتا ہے دوسرا حصہ اِلَّا اللہ اللہ تعالےٰ کی ہستی کا اقرار کرتا ہے کہ ماسوا اللہ کے اور کوئی طاقت یا قوت سزاوارِ طاعت و عبادت نہیں ہے یہ کلمۂ طیبہ کا نفی و اثبات ہے اور اس کے ادا کرنے کے مختلف طرائق ہیں، جو صوفیائے کرام کے ہاں رائج ہیں۔ مقصد یہاں اُن ضربوں سے نہیں مقصود . . . اُن کے معانی اور اثرات ہیں جو قلبِ انسانی پر وارد ہوتے ہیں اور اُس کی روح کی تربیت کرتے ہیں جس کا نتیجہ تزکیہ و طمانیتِ قلب و نفس ہے۔ یہ ایک بہت بڑی محسوس حقیقت ہے۔ مراقبات و مجاہدات سے اس کا اصلاً کوئی تعلق یہاں پر نہیں۔ ہر کوشش مجاہدہ ہوتی ہے اور یکسوئی مراقبہ! اگر معنیٰ میں ہم ایسا ہی سمجھ لیں تو کوئی ہرج نہیں۔ یہ تو ایک نسخہ ہے جو حیاتِ روحانی اور اخلاقی بیماری و صحت کی طرف راہنمائی کر رہا ہے اور پھر اس کا بندوبست بھی اپنے ذمہ لے رہا ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے قرآن عزیز میں ذکر کے متعلق ایسا فرمایا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ ؕ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ

اور خود کلام اللہ کے لئے قرأۃ کی تلقین یوں کی ہے:۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ ذکر سے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا ہے، مگر یہ کیا بات ہوئی کہ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر ذرا لَے سے پڑھو اور ایسی لَے جو نہ بہت نیچی ہو اور نہ بہت اونچی۔ آپکو شاید ہمارے ان دو آیات کو ایک ساتھ لے آنے میں تعجب ہو کہ اُن کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا خواہ نماز کے طور پر ہو

یا فقط ذکر اللہ کی شکل میں اطمینانِ قلب کا موجب ضرور ہوتا ہے مگر اس ترتیل کا ذکر کے ساتھ کیا تعلق ہوا؟ اب جو چیز ہمارے پیش نظر ہے اُسے بیان کرتے ہیں۔ ایک بار ہمارے گذشتہ خیالات کا جائزہ پھر لے لیجئے ہم نے مندرجہ ذیل باتوں پر زور دیا ہے۔

(۱) منفی و اثباتی جذبات کی حقیقت۔

(۲) جذبات کا مرکز قلب ہے۔

(۳) قلب کا مراکز بالا سے تعلق۔

(۴) نفی و اثبات کا تعلق منفی و اثباتی جذبات سے۔

(۵) عملِ ترتیل کے باعث قلب کا تعلق بالائی مراکز سے۔ اور

(۶) (۵) کے عمل سے تصفیۂ قلب کا پیدا ہونا۔

آیئے اب ان سب امور کے نتیجے پر غور کریں۔ ہم نے کہا تھا کہ انسان اس سازِ ہستی کا پہلا سُر ہے، بلکہ خود ایک ساز ہے اور اُس کا ہر ریشہ ایک تار کی مانند ہے جو سُر میں آکر بولنے لگتا ہے۔ عملِ ترتیل اس ساز کو سُر میں کرتا ہے جس سے ساز از خود بولنے لگتا ہے۔ سب سے پہلے اسی سب سے بڑی سبتک کو دیکھئے اور غور فرمایئے (سبتک کہتے ہیں آٹھ سُروں کو مثلاً سا، رے، گا، ما، پا، دھا، نی، سا۔ سُر درحقیقت سات ہوتے ہیں مگر راگ کے اصولوں کے مطابق کھرج کی تکرار سے "سا" دو مرتبہ آکر اُس کو آٹھ سُر بنا دیتا ہے) یہ سات سُر اللہ تعالےٰ انسان کے اندر سات تاروں کے ساتھ منسلک کر دیتے ہیں۔ ان سات تاروں کی ترتیب یوں ہے۔

۱۔ ہمارے کنٹھ کے اندر جو آلۂ صوت ہے اس میں دو تاریں ہیں — سا، رے

2 ——— VOCAL CORDS

۲۔ دل کے اندر تین تاریں شکر ثلاثی سے منسلک ہیں — گا، ما، پا

3 ——— TRICVSPID VALVE

۳۔ دل کے اندر دو تاریں شکر ہلالی سے منسلک ہیں — دھا، نی

2 ——— MCUSPID VALVE

ان تینوں کا مجموعہ سات ہوا۔ یہ انسان کے ساز کا سب سے پہلا یا اونچا سپتک ہے (سا، رے، گا، ما، پا، دھا، نی) ترتیل کی کیفیت یہ ہے کہ جب آپ قرآنی لَے میں قرأۃ کرتے ہیں تو یہ تمام تاریں سُر میں آجاتی ہیں اور حلق سے لیکر دل کی گہرائیوں تک اسم اللہ کی صدا گونج اٹھتی ہے۔ اور ہر وہ لفظ جو کلام اللہ سے ترتیلاً کہا جاتا ہے حلق سے اُٹھ کر قلب پر ضرب لگاتا ہے اور آپ اُس کی آواز سُن سکتے ہیں۔ یہ ہے فلسفہ ذکرِ جلی کا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ البتہ یہ صدا دل کی گہرائیوں ہی میں گم نہیں ہو جاتی بلکہ جسم کے دیگر تاروں میں بھی پھیل جاتی ہے اور انسان کا ہر ریشہ ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس ساز کو اگر ذکر اللہ کے لئے استعمال نہ کیا جائے تو تاریں زنگ آلود ہو جاتی ہیں۔ جیسے کسی کا ستار بہت دیر تک بغیر استعمال کے پڑا رہے تو ریگ مار لگا کر ان کو صاف کرنا پڑتا ہے اسی طرح انسان کے ساز کی تاریں بھی زنگ آلود ہو جاتی ہیں اور اُس کا قلب بھی لازماً زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اس کی صفائی کے لئے ذکر نہایت ضروری ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ہندوؤں کی عبادت کے اندر جو راگ کا ذریعہ استعمال کیا جاتا تھا اُس کا فلسفہ بھی کچھ ایسا ہی ہو بہرحال ترتیل سے قرأۃ کا فلسفہ جو ہماری سمجھ میں آیا ہے وہ یہی ہے

آیئے اب ذرا اس کیفیت کی تلاش میں کچھ اور آگے بڑھیں۔ اس اندازِ قرأۃ کا پہلا اثر تو یہ ہوا کہ ہر صدا جو حلق سے پیدا ہوتی ہے اس کی تکرار قلب کرتا ہے اور یہ صدائے بازگشت (ECHO) سُنی جا سکتی ہے اس کا محلِ وقوع عین دل کی دھڑکن کی جگہ کے اوپر سینے پر ہوتا ہے۔ ذکر کی تکرار سے قلب کی صفائی وقوع میں آتی ہے اور اُس پر واردات کا نزول ہوتا ہے۔ مکاشفات کے شگوفے اگرچہ قلب کی گہرائیوں ہی سے پھوٹتے ہیں تاہم اُن کا القاء بالائی مراکز یا عالم بالا سے ہی ہوتا ہے، مگر یہ عمل تصفیۂ قلب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ حظیرۃ القدس میں بھی ایک بڑا ساز رکھا ہے جس کی سپتک ہماری سپتک سے وابستہ ہو جاتی ہے جب قلب مُصفّٰی ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں ساز سُر میں آجاتے ہیں تو وہاں کے راگ ہمارے ساز میں اُترنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ہمارے جسم کا ہر ریشہ پھر ہماری سپتک کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ انسان کے جسم کا ہر ریشہ پھر ذکر کی تکرار کرتا ہے۔ یہ ہے منتہائے منزلِ ذکر۔ لا الٰہ الا اللہ

لا الٰہ گوئی بگو از روئے جاں تا ز اندامِ تو آید بوئے جاں (اقبال)

اور یہ ہے تفسیر علامہ اقبال کے اس شعر کی ! (ناتمام)

اس مضمون کی ترتیب میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

1- IN SEARCH OF THE MIRACULOUS. BY P.D. OUSPENSKY

2- TERTIUM ORGANUM. BY P.D. OUSPENSKY.

3- COSMIC CONSCIOUSNESS. BY DR. R.H. BUCKE

4- PSYCHOLOGICAL COMMENTARIES ON THE TEACHINGS OF GURDJIEFF AND OUSPENSKY BY DR. MAURICE NICOLL MD. (IN FIVE VOLUMES)

5- A NEW MODEL OF THE UNIVERSE BY P.D. OUSPENSKY.

6- THE PSYCHOLOGY OF MAN'S POSSIBLE EVOLUTION BY P.D. OUSPENSKY.

7- MAKTUBAT IMAM RABBANI. 8- THE HOLY QURAN.

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

مسلمان خواتین کا دینی ترجمان

خاص نمبر

۱۵ نومبر ۱۹۶۰ء کو شائع ہو رہا ہے

اپنے چار سالہ کامیاب دور کو پورا کرنے کی خوشی میں دوسرا شاندار خاص نمبر پیش کر رہا ہے،

جسمیں یہ بتایا جائے گا کہ اسلام میں عورت کا صحیح کیا ہے اور بحیثیت بیوی، ماں، بہن اور مسلم سوسائٹی کی ایک اہم فرد کے اس پر کیا ذمہ داریاں اور کیا حقوق ہیں اور وہ اپنی ان ذمہ داریوں اور حقوق کو پورا کر کے تعمیر ملت اور تربیت و اخلاق کے میدان میں کیا اہم پارٹ ادا کر سکتی ہے؟

چند مضمون نگار

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مولانا محمد منظور نعمانی مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی مولانا محمد اویس صاحب ندوی مولانا عبد السلام صاحب قدوائی

ماہر القادری شفیق جونپوری مولانا قاسم محمد صاحب ... محترمہ خیر النساء صاحبہ امۃ اللہ تسنیم محترمہ بیگم صغریٰ حسین

اسکے علاوہ — نظمیں، معلوماتی مضامین، روزمرہ کی زندگی کے متعلق ہدایات اور بہت سی دوسری چیزیں مشہور اہل قلم حضرات اور خواتین کے قلم سے

سائز ۲۲×۱۸ صفحات تقریباً ۲۰۰ کتابت طباعت دیدہ زیب، ٹائٹل دو رنگا خوبصورت، سالانہ ... قیمت خاص نمبر ... خریداروں کو یہ نمبر مفت پیش کیا جائے گا

ایجنٹ حضرات جلد توجہ فرمائیں

دفتر ماہنامہ رضوان گوئن روڈ لکھنؤ